بحث ونظر

سید جلال الدین عمری
صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

دارالاسلام اور دارالحرب کا تصور

جدید عالمی پس منظر میں

اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے فرق اور ان کے تعلقات کی نوعیت کو واضح کرنے کیلئے ہمارے علماء وفقہاء نے جو اصطلاحات استعمال کی ہیں، ان میں دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاحات بھی ہیں۔ یہ اپنے اندر بڑے وسیع معانی رکھتی ہیں اور ان سے اسلامی سیاست کے بعض اہم گوشوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

فقہائے کرام کے نزدیک دارالاسلام وہ ریاست ہے جہاں اسلام کے احکام علانیہ (بغیر کسی رکاوٹ) نافذ ہوں، اس سے عبادات ہی نہیں، بلکہ اجتماعی اور سیاسی احکام بھی مراد ہیں۔ اس میں بعض فقہاء نے یہ اضافہ کیا ہے کہ دارالاسلام وہ ہے جہاں مسلمانوں کو امن وامان حاصل ہو اور وہ بے خوف وخطر زندگی (داخلی طور پر) گزار سکیں۔ اور دارالحرب وہ ہے جہاں علانیہ احکام کفر پر عمل ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ایک شرط یہ بھی لگائی جاتی ہے کہ جہاں اہل کفر کا غلبہ ہو اور مسلمان امن وامان کی زندگی نہ بسر کر سکتے ہوں۔

دارالاسلام اور دارالحرب سے متعلق احکام بھی فقہاء نے تفصیل سے بیان کئے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ دارالاسلام کی حفاظت اس کے مسلمان شہریوں کے لئے عام حالات میں فرض کفایہ ہے، لیکن بعض نازک حالات میں اس کی حیثیت فرض عین کی ہو جاتی ہے۔ اس کے دفاع کے لئے نفیرِ عام (یعنی امام یا سربراہ مملکت کی طرف سے جہاد کا اعلان) ہو تو ہر ایک کے لئے اس میں شرکت لازمی ہے۔ اس سے وہی افراد مستثنیٰ ہوں گے جو عذر شرعی رکھتے ہوں۔

۲۔ دارالاسلام سے بغاوت جائز نہیں ہے۔ اسے فرو کرنے کے لئے ہر ایک کو حسبِ استطاعت حصہ لینا ہوگا۔

۳۔ دارالحرب کے مسلمانوں کو اساسات دین پر عمل کی آزادی نہ ہو تو ان پر فرض ہے کہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جائیں۔ دارالاسلام کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے۔

۴۔ دارالحرب کا کوئی غیر مسلم شہری اسلام کو جاننے اور سمجھنے کے لئے دارالاسلام آنا چاہے تو اسے اس کا مناسب موقع فراہم کیا جائے گا۔ اس کے بعد اسے بہ حفاظت اس کے وطن پہنچا دیا جائے گا۔

۵۔ دارالحرب سے کوئی غیر مسلم تجارت یا کسی جائز مقصد سے دارالاسلام آنا چاہے تو اسے ایک محدود مدت کے لئے اجازت دی جاسکتی ہے۔ زیادہ دنوں تک وہ قیام کرے تو اسے ذمی قرار دیا جائے گا اور اسی حیثیت سے اس کے ساتھ معاملہ ہوگا۔

۶۔ دارالاسلام کا کوئی شہری دارالحرب جائے تو وہ اس کے عام ملکی قوانین کا پابند ہوگا۔ جھوٹ، دھوکا، فریب یا کسی طرح کی غیر اخلاقی حرکت کی اسے اجازت نہ ہوگی۔ دارالحرب میں طویل قیام اور شادی بیاہ اس کیلئے ناپسندیدہ ہے۔

ان احکام پر موجودہ حالات کے پس منظر میں گفتگو سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کے تعلق کی نوعیت کیا ہوگی؟ اس کی نوعیت رسول اللہ ﷺ کی سنت اور طریقہ کار سے واضح ہے۔ آپ ﷺ نے عرب کے مختلف سرداران قبائل کو براہ راست یا اپنے نمائندوں کے واسطہ سے اور مکاتیب کے ذریعے مختلف بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں اسلامی اقتدار کو تسلیم کرنے اور جزیہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ بھی منظور نہ ہو تو ان سے جہاد کا اعلان فرمایا۔

حضرت بریدہؓ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا لقیت عدوک من المشرکین فادعھم الی ثلاث خصال فایتھن ما اجابوک فاقبل منھم و کف عنھم. ثم ادعھم الی الاسلام فان اجابوک فاقبل منھم و کف عنھم .....فان ھم ابو افسلھم الجزیۃ. فان ھم اجابوک فاقبل منھم و کف عنھم فان ھم ابو افاستعن باللہ و قاتلھم [1]

ترجمہ: ''جب تمہارا سامنا اپنے دشمن مشرکوں سے ہو تو انہیں تین باتوں کی دعوت دو۔ ان میں سے جس بات کو بھی وہ اپنے لئے پسند کریں تم اسے قبول کرلو اور ان سے ہاتھ روک لو۔ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ اسے اختیار کرلیں تو اسے تسلیم کرلو اور ان سے جنگ سے باز رہو، اگر وہ انکار کریں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو۔ اگر وہ اس کے لئے تیار ہو جائیں تو اسے مان لو اور جنگ سے باز رہو۔ لیکن اگر وہ اس کے لئے بھی آمادہ نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کرو اور ان سے جنگ کرو۔''

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کسریٰ کے گورنر (جس کا نام بندار اور لقب غالباً ذوالجناحین تھا) سے کہتے ہیں:

امرنا نبینا رسول ربنا ﷺ ان نقاتلکم حتی تعبدو اللہ وحدہ او تؤدوا الجزیۃ [2]

ترجمہ: ''ہمارے نبی اور ہمارے اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تم سے جنگ کریں، جب تک کہ تم اللہ واحد کی عبادت نہ اختیار کرلو یا جزیہ ادا کرو۔''

دارالاسلام اور دارالحرب کا تصور اسی سے ابھرا ہے۔ اس کا تعلق خاص حالات سے ہے۔ دار کی صرف یہی

دو شکلیں نہیں ہیں۔ اسلام ریاست کا دوسری ریاستوں سے معاہدہ امن بھی ہوسکتا ہے۔ قرآن' حدیث اور اسلامی تاریخ میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ اس کا حوالہ آگے آ رہا ہے۔

دورِ حاضر کے لئے دارالاسلام اور دارالحرب کا تصور ہی نا قابل قبول ہے۔ یہ آج کے سیاسی مسلمات کے بالکل خلاف ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مسلمات کیا ہیں اور کس حد تک مبنی برحقیقت ہیں۔ دارالاسلام اور دارالحرب کے تصور سے ان کا تصادم ہے یا نہیں اور ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے؟

کہا جاتا ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب اور نظریات پر اپنا غلبہ اور تسلط چاہتا ہے۔ دارالاسلام اور دارالحرب کا تصور اسی کا شاخسانہ ہے۔ آج کی دنیا کسی ایسی ریاست کو قبول نہیں کرسکتی' جس کے پیش نظر دوسری ریاستوں پر اپنی بالادستی اور حکمرانی قائم کرنا ہو' کجا کہ وہ اس کے لئے عملی اقدامات بھی کرے۔

آج سیاست کی دنیا میں بعض باتوں پر اتفاق پایا جاتا ہے۔ یہ اتفاق اقتدار کی کشمکش' اس کے نتائج اور قوموں کے کشت وخون کے طویل تجربات کے بعد ہوا ہے۔ یہ ایک تاریخی عمل ہے جسے نظرانداز کرنا آج کے دور میں ممکن نہیں ہے۔ جن سیاسی امور پر اتفاق ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ کسی ملک کا دوسرے ملک پر قبضہ ناروا ہے۔ یہ ایک طرح کا نوآبادیاتی نظام ہے' جو ماضی کی داستان بن چکا ہے۔ اسے زندہ کرنے کی ہر کوشش قابلِ مذمت ہے۔

۲۔ ہر ملک اپنے معاملات طے کرنے میں آزاد ہے۔ اس کے اقتدار اعلیٰ کا احترام لازم ہے اور اسے چیلنج نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ ہوگی۔

۴۔ اس پر کوئی دوسرا ملک اپنے نظریات مسلط کرنے اور اسے ان کا پابند بنانے کی کوشش نہ کرے گا۔

۵۔ کسی بھی ملک میں جو تبدیلی آئے وہ جمہوری اور آئینی طریقے سے آنی چاہیے۔ اس کے لئے جبر اور طاقت کا استعمال درست نہیں ہے۔

۶۔ مذہب فرد کا معاملہ ہے۔ اس کی بنیاد پر ریاست کے قیام کا جواز نہیں ہے۔

۷۔ دنیا کے تمام آزاد ممالک بین الاقوامی قوانین کے پابند ہوں گے۔

آیئے دیکھیں کہ ان مسلمات کی حقیقت کیا ہے؟ وہ کس حد تک قابل عمل ہیں اور ان کی کہاں تک پابندی ہورہی ہے؟ اور اس سلسلہ میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟

پہلے اس خیال کو لیجئے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کا تصور دوسروں پر اسلام کے غلبہ اور اقتدار کا تصور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام غلبہ اور اقتدار چاہتا ہے۔ اس کا صاف اعلان ہے:

هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون (التوبۃ۔۳۳)

''وہ اللہ ہی ہے' جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے' چاہے یہ مشرکوں کو ناگوار ہی گزرے''

اسلام اگر اپنے اس عزم وارادے کا اظہار کرتا ہے کہ وہ دوسرے ادیان اور نظامہائے حیات پر غالب آنا چاہتا ہے تو اس پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں ہے' اس لئے کہ دنیا کا ہر نظریہ دوسرے نظریات پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے سعی وجہد بھی کرتا ہے۔ کمیونزم دنیا پر اپنے غلبہ کی کوشش کرتا رہا ہے۔ سرمایہ داری شب وروز اسی تگ ودو میں ہے اور بظاہر کامیاب ہے۔ اسلام بھی ایک نظریہ حیات ہے۔ وہ غلبہ چاہتا ہے تو اسے غلط کہنے کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے۔

یہ بات کہ کسی ملک کے اقتدار اعلیٰ کو چیلنج نہیں کیا جائے گا' کوئی اصول کلیہ نہیں ہے' جو بات دیکھنے کی ہے وہ یہ کہ اقتدار اعلیٰ صحیح اصولوں پر قائم ہے یا اس کی اساس ہی نادرست اور غلط ہے' یہی وجہ ہے کہ جمہوریت اگر آمریت اور بادشاہت کو چیلنج کرے اور ختم کرنے کی کوشش کرے تو اسے ناروا نہیں' بلکہ پسندیدہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس معاملے میں اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس اقتدار کی بنیاد ظلم وزیادتی' انسانی حقوق کی پامالی اور باطل افکار اور باطل نظام پر ہے اور وہ برضا ورغبت اس سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے تو اسے چیلنج کرنا چاہیے۔ قرآن مجید نے اس سلسلے میں اصولی بات یہ کہی ہے:

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق۔ (الانبیاء۔۱۸)

''بلکہ ہم حق کو باطل پر مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے۔ پھر وہ ختم ہو جاتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا (بنی اسرائیل:۸۱)

''اور کہو کہ حق آیا اور باطل بھاگ کھڑا ہوا' بے شک باطل بھاگنے ہی والا ہے۔''

یہ بات کہ کسی ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ ہوگی' اس پر منحصر ہے کہ اس ملک کا رویہ اپنی آبادی اور باہر کی دنیا کے ساتھ کیا ہے؟ وہ کس قسم کی اقدامات کر رہا ہے؟ اور اس کے عزائم کیا ہیں؟ اگر اس کا رویہ نوع انسانی کے لئے خطرناک ہے تو دنیا کا فرض ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑے اور اسے اپنے عزائم کو روبہ عمل لانے اور پیش قدمی کرنے نہ دے۔ اسلام اس میں قائدانہ کردار ادا کرنا چاہتا ہے اور کرے گا۔ ہاں اگر اس کے یہاں عدل وانصاف ہے' حقوق انسانی کی پاسداری ہے' فکر وعمل کی آزادی ہے تو اس سے تعرض کرنا صحیح نہ ہوگا۔

یہ اصول کہ کوئی ملک دوسرے ملک پر اپنے خیالات مسلط نہیں کرے گا' بالکل درست ہے۔لیکن یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ خیالات کا مسلط کرنا تو بلاشبہ غلط ہے' لیکن تبادلہ خیالات غلط نہیں' بلکہ بہت ضروری ہے۔ اس سے ذہن وفکر کے دریچے کھلتے ہیں اور حق و باطل واضح ہوتا ہے۔کسی فکر کو جغرافیائی حدود کا پابند بنانا حریت فکر کے منافی ہے۔اس وقت مغربی افکار پوری دنیا میں پھیلائے جارہے ہیں اور اس طرح پھیل رہے ہیں جیسے حق وصداقت ان ہی میں منحصر ہے۔اسے غلط نہیں کہا جارہا ہے' بلکہ ہر ملک پوری فراخ دلی سے ان کا استقبال کررہا ہے۔اسلام اپنے عقیدہ اور فکر کو مسلط کرنا نہیں چاہتا' بلکہ دلائل کے ساتھ اسے پیش کرتا اور اس پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔اس لئے اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔اس نے صراحت کے ساتھ کہا ہے:

کتاب انزلنا ' الیک مبارک لیدبروا یاته ولیتذکر اولو الالباب ۔ (ص:۲۹)

ترجمہ: ''یہ کتاب ہم نے آپ پر اتاری ہے جو بابرکت ہے' تاکہ یہ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل مند نصیحت حاصل کریں۔''

یہ مضمون بہت سی آیات میں بیان ہوا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے دعوئ رسالت اور آپ کی تعلیمات کے متعلق ارشاد ہے:

اولم یتفکروا مابصاحبهم من جنة ان هو الانذیر مبین (الاعراف:۱۸۴)

ترجمہ: ''کیا انہوں نے نہیں سوچا کہ ان کے ساتھی کو کوئی جنون نہیں ہے۔وہ تو صاف صاف ڈرانے والا ہے۔''

یہ ضابطہ کہ کسی بھی ملک میں جو تبدیلی آئے وہ جمہوری اور آئینی طریقے سے آنی چاہیے' اس کے لئے جبر اور طاقت کا استعمال درست نہیں ہے۔اسلام اسے صحیح قرار دیتا ہے۔اس نے آمریت کی جگہ شورائیت کی تحسین کی ہے اور اہل ایمان کا ایک اعلیٰ وصف یہ قرار دیا ہے کہ وہ اپنے معاملات مشورے سے طے کرتے ہیں: وامرهم شوری بینهم (الشوریٰ:۳۸) خلفائے راشدین کا انتخاب اسی اصول کے تحت ہوا' تاریخ کی شہادت ہے کہ اس دور میں سب ہی اہم امورِ ریاست باہم مشورے سے طے ہوتے تھے۔آج اس کی جو مناسب صورت اختیار کی جائے وہ اسلام کے خلاف نہ ہوگی' بلکہ اسے اسلام کی تائید حاصل ہوگی۔

اب مذہبی ریاست کے سوال کو لیجئے:

موجودہ دور کا یہ رجحان یا فیصلہ غیر علمی اور غیر منطقی ہے کہ مذہب کو ریاست سے الگ ہونا چاہیے اور مذہب کی اساس پر ریاست کی تشکیل صحیح نہیں ہے۔یہ انسان کو مذہب سے دور رکھنے اور اسے لامذہبیت اور دہریت کے رُخ پر ڈالنے کی کوشش ہے۔اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔انسان کے سامنے یہ وسیع کائنات ہے' جس میں وہ سانس لے رہا اور زندگی گزار رہا ہے اور خود اس کا وجود اور اس کی ذات ہے۔ان کے بارے میں بعض بنیادی سوالات ابھرتے ہیں۔ان

سوالات کا تعلق عقیدہ وفکر، عبادت و اطاعت، اخلاق و سیرت، تہذیب و معاشرت، معیشت و سیاست اور زندگی کے ہر گوشے سے ہے۔ وہ ان کا متعین جواب چاہتا ہے۔ ان کا ایک جواب سیکولر نظریات دیتے ہیں۔ دوسرا جواب اسلام دیتا ہے۔ اگر سیکولر نظریات قابل غور ہو سکتے ہیں تو اسلامی فکر کیوں قابلِ غور نہ ہو؟ اسے محض اس وجہ سے رَد کر دینا کہ وہ ایک مذہب ہے (حالانکہ اسلام عام معنی میں مذہب نہیں، ایک فلسفہ حیات ہے) ضد اور ہٹ دھرمی یا ذہنی تعصب کی دلیل ہے۔ کوئی بھی غیر جانب دار شخص اس کی تائید نہیں کر سکتا۔

بین الاقوامی معاہدوں کے احترام اور ان کی پابندی کی تعلیم شاید سب سے پہلے اسلام ہی نے دی ہے۔ اس نے تاکید کے ساتھ کہا:

یایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود (المائدہ:۱)

ترجمہ: ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، معاہدوں کو پورا کرو۔''

آیت میں 'عقود' کا لفظ آیا ہے اس میں جس طرح اللہ اور بندے کے درمیان ہونے والے عہد و پیمان شامل ہیں اسی طرح وہ عہد و پیمان بھی اس میں آتے ہیں جو افراد اور جماعتوں کے درمیان ہوں۔

بین الاقوامی معاہدوں کے سلسلہ میں اسلام نے بعض اصول ہدایات دی ہیں۔

۱۔ عہد و پیمان جنگ بندی اور امن و امان کیلئے ہو تو اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر بے خوف وخطر قبول کر لینا چاہیے۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا و توکل علی اللہ ط انہ ھو السمیع العلیم O وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمؤمنین O (الانفال:۶۱۔۶۲) ''اگر وہ امن و صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لئے مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بے شک وہ سننے اور جاننے والا ہے۔ اگر وہ تمہیں دھوکہ دینا چاہیے تو اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اس نے (اس سے پہلے) تمہیں اپنی نصرت اور اہل ایمان کے ذریعہ تقویت پہنچائی ہے (وہ اب بھی تمہیں طاقت عطا کرے گا)

۲۔ فریق ثانی جب تک عہد شکنی نہ کرے، عہد کی لازماً پابندی کی جائے۔ مشرکین قریش کے بارے میں قرآن نے کہا کہ ان سے عہد و پیمان پورا کرنے کی توقع نہیں ہے۔ اس کے باوجود حکم ہوا۔

فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ان اللہ یحب المتقین O (التوبۃ:۷)

''پس جب تک وہ سیدھے طریقے سے اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھا طریقہ اختیار کرو (عہد کی پابندی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو) بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔

۳۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو تو اسے ختم کیا جا سکتا ہے، لیکن فریق ثانی کو دھوکے میں نہ رکھا جائے، بلکہ علی الاعلان اسے ختم کیا جائے۔

واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علیٰ سواء ان الله لا یحب الخائنین ○ (الانفال:۵۸)

ترجمہ: ''اگر تمہیں کسی قوم کے عہد و پیمان میں خیانت (بدعہدی) کا خوف ہو تو اسے اس طرح پھینک دو کہ تم اور وہ برابر کی حیثیت میں آ جائیں' (دونوں پر واضح ہو جائے کہ اب معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔ خیانت نہ کرو) بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔''

بین الاقوامی معاہدوں کے سلسلے میں اس سے زیادہ معقول اور امن پسندانہ رویہ کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کے تصور پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان میں سے بیش تر موجودہ دور کے طرزِ عمل پر وارد ہوتے ہیں وہ جس رویہ کو اپنے لئے جائز قرار دیتا ہے اسے دوسروں کیلئے جائز نہیں سمجھتا۔

ان اعتراضات سے قطع نظر اس پورے موضوع پر موجودہ حالات میں بعض اور پہلوؤں سے غور و فکر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ (فداہ ابی و امی) نے جن حالات میں سردارانِ قبائل سے خطاب فرمایا تھا یا جو مکاتیب غیر اسلامی ریاستوں کے سربراہوں کے نام ارسال فرمائے تھے انہیں پیش نظر رکھنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ اسوقت کے حالات اور آج کے حالات میں کیا فرق واقع ہوا ہے؟

۱۔ وہ دورِ شہنشائیت اور آمریت کا تھا۔ بادشاہِ وقت اقتدار کا مرکز اور آمرِ مطلق ہوتا۔ وہ اپنے وزراء و اعوان اور حوالی موالی کی مدد سے جس طرح چاہتا حکومت کرتا۔ وہ نہ تو خود کو کسی کے سامنے جواب دہ سمجھتا اور نہ کسی کو اس سے باز پرس کی ہمت ہوتی۔ عوام حقیقی معنی میں کالانعام اس کے احکام کی تابع داری کرتے' امورِ ریاست میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوتا' سردارانِ قبائل اور مطلق العنان آمروں کا بھی یہی طریقہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اسی وجہ سے سردارانِ قبائل اور بادشاہانِ وقت سے خطاب کیا اور انہیں اسلام لانے کی دعوت دی۔ اس لئے کہ ان کے اسلام قبول کرنے کے معنی عوام کے اسلام قبول کرنے کے تھے اور ان کا رد کر دینا عوام کے رد کر دینے کے مترادف تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے شاہِ روم ہرقل کو جو خط روانہ کیا اس میں آپؐ نے فرمایا:

أسلم' تسلم' اسلم یؤتک الله أجرک مرّتین و إن تولّیت فإنّ علیک إثم الأریسین (مسلم کتاب الجهاد)

ترجمہ: ''اسلام لاؤ سلامتی سے رہو گے۔ اسلام لاؤ' اللہ تمہیں دُگنا اجر عطا کرے گا۔ اگر تم نے اس سے بے رخی برتی تو تم پر کسانوں (رعایا) کا بھی گناہ ہو گا۔''

بادشاہ اگر انکار کردے تو رعایا کا گناہ بھی اس پر اس لئے عائد ہوگا کہ وہ دین و مذہب اور عقیدہ و فکر میں اس کے تابع تھے۔ وہ اسلام قبول کرلے تو رعایا بھی لازماً اسلام قبول کرلے گی۔ وہ اگر رد کردے تو رعایا بھی اسے رد کردے گی۔ (۳)

عصر جدید نے صورتِ حال بدل دی ہے۔ قبائلی حکمرانی اور بادشاہت اور آمریت کا دور بڑی حد تک قصۂ پارینہ بن چکا ہے یا بنتا جارہا ہے۔ یہ دور عوام کے اقتدار کا ہے۔ اس لئے اب اسلام کا خطاب بھی کسی مخصوص فرد یا طبقے تک محدود نہ ہوگا اور ان کا فیصلہ عوامی فیصلہ نہیں کہلائے گا۔ خاص طور پر جہاں عقیدے اور فکر اور نظامِ سیاست میں بنیادی اور دور رس نتائج کی حامل تبدیلی کا سوال ہو۔ اس کے لئے اس ملک کے عوام سے خطاب کرنا ہوگا۔ کسی اونچے سے اونچے فرد یا گروہ سے خطاب کے ذریعہ پوری قوم پر دعوتی حجت پوری نہ ہوگی اور اس کے خلاف طاقت کے استعمال کا غالباً جواز نہ ہوگا۔

۲۔ عہدِ رسالت اور اس سے قریب کے دور میں ایک طرف دارالاسلام یا اسلامی ریاست تھی، جہاں اسلام اپنے عقیدے اور فکر، اپنے پورے وجود سے اسلام کی ترجمانی کررہا تھا۔ دوسری طرف غیر اسلامی ریاستیں یا بہت سے دارالحرب تھے، جہاں احکامِ کفر نافذ تھے۔ دونوں کا فرق آسانی سے سمجھا جاسکتا تھا۔ اب کوئی دارالاسلام نہیں ہے۔ بہت سے مسلم ممالک ہیں، جن میں سے کسی ملک میں اسلام کی حکمرانی صرف عبادات اور شخصی امور تک محدود ہے اور کہیں نسبتاً اس سے وسیع دائرے میں اس پر عمل ہورہا ہے۔ اسلام کا نفاذ پوری تفصیلات کے ساتھ کہیں نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ان میں سے ہر ملک اپنی جگہ خودمختار اور اپنی سیاسی پالیسی اور حکمت عملی میں آزاد ہے۔ ان کا کوئی مشترکہ وفاق بھی نہیں ہے جو غیر اسلامی ریاستوں کے سامنے اسلام کے تقاضے اور مطالبات رکھ سکے۔

۳۔ اس وقت دارالاسلام وقت کی ایک غالب قوت تھا اور وہ دوسری ریاستوں سے اپنی شرائط پر بات کرسکتا تھا، لیکن آج کوئی اسلامی ریاست اس موقف میں نہیں ہے، بلکہ وہ دوسری طاقتوں کے زیر اثر ہے۔

دارالاسلام اور دارالحرب کے جو احکام بیان ہوئے ہیں وہ اپنے وقت میں قابل عمل تھے اور ان پر عمل ہو بھی رہا تھا لیکن موجودہ بین الاقوامی حالات ان میں سے بعض احکام پر مزید غور و فکر کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہاں ان کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

۱۔ دارالحرب میں اگر اسلام کے اظہار اور اس پر عمل کی آزادی نہ ہو تو وہاں کے مسلمانوں پر دارالاسلام ہجرت کرجانا فرض ہے۔ لیکن اب یہ صورت حال غالباً صرف بعض کمیونسٹ ممالک میں رہ گئی ہے۔ اس سے قطع نظر غور طلب امر یہ ہے کہ ہجرت کے لئے دارالاسلام کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے دروازے مہاجرین کے لئے کھلے ہوں۔ مسئلہ دو چار افراد کا نہیں، بلکہ اس طرح کے ممالک میں موجود پوری امت کا ہے۔ اس کے لئے کیا آج

کوئی دارالاسلام یا مسلم ملک تیار ہے؟

۲۔ جہاں تک غیر مسلم جمہوری ممالک کا تعلق ہے ان میں تمام باشندگانِ ملک کے مساوی حقوق تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ان کے درمیان کسی طرح کے فرق و امتیاز کو صحیح نہیں سمجھا جاتا۔ ان ممالک میں مسلمان ان تمام سیاسی حقوق کے ساتھ رہ رہے ہیں جو غیر مسلم شہریوں کو حاصل ہیں۔ وہ مذہب کی آزادی کا بھی حق رکھتے ہیں۔ ازروئے قانون انہیں اسلام کے اظہار و اعلان اور اسلامی عبادات پر عمل کی۔ اس کی دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت کی آزادی حاصل ہے۔ اسی طرح وہ اسلام کے معاشرتی قوانین نکاح' طلاق' وراثت' ہبہ' وصیت وغیرہ پر عمل کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں ان کے لئے ہجرت کا حکم نہیں ہے' بلکہ وہاں قیام پسندیدہ ہے' تاکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اس کے فروغ کی وہ کوشش کر سکیں۔

۳۔ حربی کے دارالاسلام میں قیام کا مسئلہ بھی غور طلب ہے۔ موجودہ دور میں ایک ملک اور دوسرے ملک کے درمیان آمد و رفت کے کچھ قاعدے ضابطے مقرر ہیں۔ یہ سب کیلئے ہیں۔ ان ہی کے تحت لوگ تعلیم' ملازمت' تجارت' سیاحت' ایک دوسرے سے تعلقات پیدا کرنے' بڑھانے اور خیر سگالی جیسے مقاصد کے لئے بیرونی ملکوں کا سفر کرتے ہیں۔ حالات کے لحاظ سے انہیں مختصر یا طویل مدت تک قیام کی اجازت ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک ملک کا شہری دوسرے ملک کی شہریت وہاں کی سہولتوں اور آسائشوں کے پیش نظر اختیار کر لیتا ہے۔ کبھی اس میں مجبوری کا بھی دخل ہوتا ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا یا مسلم ملک اور غیر مسلم ملک کا بھی فرق نہیں ہے۔ مسلم ممالک کے شہری بھی غیر مسلم ممالک کی شہریت اختیار کر لیتے ہیں اور وہیں رہ بس جاتے ہیں؟ کیا اسے دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف ہجرت کہا جائے گا' یا کم از کم اسے غیر اسلامی قرار دیا جائے گا؟

فقہائے کرام نے اپنے دور کے حالات میں جو احکام بیان کئے ہیں ان میں آج اس طرح کی دشواریاں پائی جاتی ہیں' ان پر اس پہلو سے غور و فکر کی ضرورت ہے کہ کتاب و سنت کا منشا کیا ہے اور وہ کس طرح پورا ہو سکتا ہے؟

دارالاسلام اور دارالحرب سے متعلق جو اہم سوال ابھرتا ہے' جس کا ان کے تعلقات پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے اور جو بڑے دور رس نتائج کا حامل ہے' وہ یہ ہے کہ کیا دارالاسلام آج کے دور میں دارالحرب سے اسلام قبول کرنے یا جزیہ ادا کرنے کا مطالبہ کرے گا اور یہ مطالبہ تسلیم نہ ہو تو اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دے گا؟ کیا یہ صریح جارحانہ رویہ نہیں ہے' کیا یہ کسی ملک کی آزادی کو سلب کرنے کی عریاں جدوجہد نہیں ہے' کیا دنیا کا کوئی بھی ملک اسے قبول کر سکتا ہے اور بین الاقوامی قوانین اس کی اجازت دیں گے؟

یہ سوال بڑا بھیانک ہے اور بظاہر اسلام کے موقف کو حق بہ جانب قرار دینا آسان نہیں ہے' لیکن یہ سوال اسلام کے موقف کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ابھرتا ہے۔ اسی کی یہاں وضاحت کی کوشش کی جائے گی۔

۱۔ دارالاسلام یا اسلامی ریاست کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ وہ دنیا کے سامنے اسلام کو اللہ کے نازل کردہ واحد دین حق کی حیثیت پیش کرے اور اسے قبول کرنے کی دعوت دے۔ یہ دعوت اسی وقت قابل توجہ اور قابل قبول ہوسکتی ہے جب کہ اسے محض ایک دعویٰ کے طور پر ہی نہ پیش کیا جائے' بلکہ دلائل کے ذریعہ دوسرے ادیان اور نظریات کے مقابلہ میں اس کا برحق ہونا ثابت کیا جائے اور یہ واضح کیا جائے کہ اسی میں دنیا اور آخرت کی فلاح مضمر ہے۔ اور یہی کامیابی و کامرانی کا واحد راستہ ہے۔ اس کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ مخاطب قوم اسلام کو قبول کر رہی ہے' یا اس نے اسے رد کر دیا ہے۔

اللہ کا دین بے شک دوسرے ادیان پر غالب آنا چاہتا ہے' لیکن یہ غلبہ محض سیاسی نہیں' بلکہ دلائل و براہین کا غلبہ بھی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ دلائل و براہین کا غلبہ ہی حقیقی معنی میں سیاسی غلبہ کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

اللہ کا قانون بھی یہی ہے۔ اس کے رسول اپنی قوم کے درمیان دلائل کے ذریعہ اسلام کا برحق ہونا ثابت کر دیتے ہیں۔ اس کے باوجود جب وہ انکار کرتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے' اس سے پہلے نہیں آتا۔

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً۔ (بنی اسرائیل: ۱۵)

''ہم کسی قوم پر عذاب نہیں نازل کرتے جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔''

فقہاء کے درمیان یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اسلام کی دعوت کے بغیر کسی قوم کے خلاف فوجی اقدام نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ دونوں طرف کی فوجیں محاذ جنگ پر ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوں تب بھی حملہ سے پہلے اسلام کی دعوت ضروری ہے۔ ہمارے خیال میں یہ دعوت دلائل کے ساتھ ہونی چاہیے۔

۲۔ اسلام اس امر کے خلاف ہے کہ اس کی تعلیمات پر سنجیدگی سے غور و فکر کی جگہ انہیں مذاق کا موضوع بنالیا جائے' ان کی تصویر مسخ کی جائے' ان پر بے بنیاد اعتراضات کئے جائیں' ان کے بارے میں خواہ مخواہ شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں اور دوسروں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ یہی بات آیاتِ ذیل میں بیان ہوئی ہے اور اس پر آخرت کی وعید سنائی گئی ہے۔

..... وویل للکفرین من عذاب شدید O ن الذین یستحبون الحیوٰۃ الدنیا علی الاخرۃ ویصدون عن سبیل اللہ ویبغونھا عوجا ط اولئک فی ضلال بعید O

ترجمہ: ''اور تباہی ہے کافروں کے لئے ایک سخت عذاب کی۔ وہ جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں۔ یہ لوگ گمراہی میں بہت دور جا چکے ہیں۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

.....الا لعنة الله على الظلمين O الذين يصدون عن سبيل الله و يبغونها عوجاط وهم بالاخرة هم كفرون O (ہود:۱۸-۱۹)

ترجمہ: ''سن لو اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔ وہ جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔''

۳۔ اسلام جبر و اکراہ کا قائل نہیں ہے۔ وہ عقیدے اور مذہب کی آزادی کو انسان کا بنیادی حق سمجھتا ہے' وہ چاہتا ہے کہ خود اس کے سلسلے میں بھی یہ آزادی حاصل رہے۔ جو شخص اسے اختیار کرے اسے لالچ' خوف' زور اور طاقت کے ذریعہ منحرف کرنے کی کوشش نہ کی جائے' اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ نہ توڑے جائیں اور اس کے چاروں طرف حصار جبر نہ کھڑا کر دیا جائے۔ اس ظالمانہ رویہ کے لئے وہ ''فتنہ'' کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ جو فرد یا گروہ کسی کے خلاف یہ رویہ اختیار کرے' اس کے نزدیک وہ بدترین جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

قتل اصحب الاخدود O النار ذات الوقود O اذهم عليها قعود Oوهم على مايفعلون بالمومنين شهود O وما نقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله العزيز الحميد Oالذى له ملك السموت والارض ط والله على كل شئى شهيد ط ان الذين فتنوا المؤمنين والمومنت ثم لم يتوبوا فلهم عذاب جهنم ولهم عذاب الحريق O (البروج:۴-۱۰)

ترجمہ: ''مار ڈالے گئے کھائیوں والے جن میں ایندھن کی آگ تھی اور وہ ان کے کنارے بیٹھے تھے اور اہل ایمان کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ان سے صرف اس لئے بدلہ لیا کہ وہ اللہ پر' جو غالب اور ستودہ صفات ہے' ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اللہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں کو دین سے پھیرنے کی کوشش کی اور سزائیں دیں' پھر توبہ نہیں کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب ہے۔''

جس ملک میں بھی جبر و اکراہ کی یہ صورتحال ہو' دارالاسلام اسے ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لئے وہ طاقت بھی استعمال کر سکتا ہے۔ اشہر حرم میں جہاد پر اعتراض تھا۔ اس کے جواب میں قرآن نے کہا۔

يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه ط قل قتال فيه كبير ط وصد عن سبيل الله و كفر به والمسجد الحرام و اخراج اهله منه اكبر عند الله و الفتنة اكبر من القتل..... (البقرہ:۲۱۷)

ترجمہ: ''وہ تم سے محترم مہینہ میں جنگ سے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ ان سے کہو کہ اسمیں جنگ بڑا گناہ ہے' لیکن اللہ

کے راستے سے روکنا' اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے باز رکھنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکال دینا' اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ فتنہ قتل سے بھی بڑا ہے۔''

اسی بنیاد پر مکہ جو اس وقت دارالحرب تھا' اس کے کمزور اور بے بس مسلمانوں کو جو ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے' جنہیں قرآن نے مستضعفین کہا ہے وہاں سے نکالنے کے لئے جہاد کا حکم دیا گیا۔ (النساء: ۷۵)

دارالحرب میں دعوت وتبلیغ کے مواقع حاصل ہوں' اسلام کی راہ میں دستوری اور عملی رکاوٹ نہ ہو اور آزادی سے اسے اختیار کیا اور اس کی تعلیمات کے مطابق عمل کیا جاسکے تو توقع ہے کہ خود وہاں اندر سے اسلام ابھرے گا۔ اس کے لئے اسے جنگ کی ضرورت نہ ہوگی۔

دنیا کی ہر ریاست کی طرح دارالاسلام کو بھی اپنے دفاع کا حق حاصل ہے۔ اگر دارالحرب کی طرف سے وہ خطرہ محسوس کرے تو دفاعی اقدامات ضرور کرے گا۔ موجودہ دور میں بین الاقوامی معاہدے موجود ہیں جو ایک ملک کو دوسرے ملک پر حملہ سے روکتے ہیں۔ اس طرح کا معاہدہ دارالاسلام بھی کرسکتا ہے۔

﴿ مراجع و حواشی ﴾

۱۔ مسلم' کتاب الجہاد' باب تامیر الامام الامراء علی البعوث الخ۔ ابوداؤد۔ کتاب الجہاد۔ باب فی دعاء المشرکین

۲۔ بخاری' کتاب الجزیۃ والموادعۃ' باب الجزیۃ والموادعۃ الخ۔

۳۔ امام نووی فرماتے ہیں: معناہ أن علیک إثم رعایاک الذین یتبعونک ویتقادون بانقیادک ونبہ بھولاء علی جمیع الرعایا' لأنھم الأغلب ولانھم اسرع انقیادا' فاذا أسلم اسلموا واذا امتنع امتنعوا وھذا القول ھو الصحیح (شرح مسلم' جلد ۶' جز' ۱۲' ص ۹۳' دارالکتب العلمیۃ' لبنان ۱۹۹۵) اس کے معنی یہ ہیں کہ تم پر تمہاری رعایا کا بھی گناہ ہوگا' جو تمہارا اتباع کرتے ہیں اور جو تمہارے اطاعت قبول کرنے سے خود بھی مطیع ہو جائیں گے۔ اریسیین (کاشت کاروں) سے تمام رعایا کی طرف اشارہ فرمایا ہے' اس لئے کہ ان ہی کی اکثریت تھی اور سب سے بڑھ کر اطاعت کرنے والے بھی وہی تھے۔ اگر بادشاہ اسلام لے آئے تو وہ بھی اسلام لے آئیں گے اور وہ اس سے باز رہے تو وہ بھی باز رہیں گے۔

نوٹ: آپ اپنے مضامین مدیر الحق کو بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں

Email: editor_alhaq@yahoo.com